ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

نظام عالم مربوط ہے بیت اللہ شریف سے

’’نظام عالم مربوط ہے حرمین شریفین سے اور ان کی دعوت سے، وہ صحیح اعتقاد، صالح سیرت واخلاق انسانیت کے رشتے، اخوت ومحبت، انسانیت کے احترام، انسانی جان ومال کا تحفظ اور ہر چیز میں خدا کو حاضر وناظر سمجھنے سے اصل میں نظام عالم قائم ہے، نظام عالم سائنس پر قائم نہیں، ٹکنالوجی پر قائم نہیں، سائنس وٹکنالوجی نے بتایا کہ وہ نظام عالم کے لیے خطرہ ہے، آج ایک منٹ میں پورا نظام عالم فنا ہوسکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نظام عالم قائم ہے ارادۂ الٰہی پر، نظام الٰہی قائم ہے ان اصولوں اور تعلیمات پر جن کو پیغمبر لے کر آئے، اس سب کا مرکز وہ دعوت‘ وہ مقاصد‘ وہ تعلیم‘ وہ مرکزیت ہے جس کے داعی اول سیدنا ابراہیمؑ اور جس کے مجدد وخاتم اور مکمل محافظ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جن کی نمائندگی بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی کرتی ہے۔‘‘

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

SEP 16

₹ 10/-

دنیا کی ہر قوم و تہذیب میں قربانی کا رواج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا" "اور ہم نے ہر ایک امت کے لیے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے"

دنیا کی کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں جو کچھ نہ کچھ مقدس مقامات نہ رکھتی ہو اور اس کے متبعین اور پیرو کسی خاص مذہبی موقع پر ایک جگہ جمع نہ ہوتے ہوں، ان مذہبی مقامات کی زیارت یا مذہبی سفر کے لیے کچھ اصول اور طریقے اور رسوم و روایات ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ عمل فطرت بشری کے عین مطابق اور ضمیر کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہے، انسان برابر کسی ایسی چیز کی جستجو اور آرزو میں رہتا ہے، جس سے قریب ہو کر وہ اپنے جذبۂ عقیدت و محبت کی تسکین کر سکے، وہ ایک ایسا طویل اور بڑا عمل چاہتا ہے، جس سے اس کے بڑے بڑے گناہوں اور مہلک غلطیوں کی تلافی ہو سکے اور وہ ضمیر کی چبھن، مذہبی حس کی کھٹک اور سوسائٹی کی ملامت سے چھٹکارا پا سکے، اس کے اندر ایک ایسے عظیم اور عام دینی اجتماع کی طلب پوشیدہ ہے، جہاں صرف دینی اخوت اور روحانی رشتہ کارفرما ہو، کوئی دوسری اساس اور دوسرا جذبہ اس میں شامل نہ ہو۔

جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور تہذیب کا کوئی دوران مذہبی سفروں، زیارت گاہوں اور مقدس و متبرک مقامات سے خالی نہیں، جہاں لوگ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور یا اپنے خودساختہ معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کے لیے قربانیاں کرتے ہیں، نذریں مانتے ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ تو قربانی ہر مذہب میں رہی ہے، قربانی کے فوائد بھی آپ سمجھ لیجیے قربانی کا ایک فائدہ ہے کہ مرغوب چیز کو خدا کے راستے میں قربان کرنا اور مرغوبات میں صدہا ایسی چیزیں ہیں جن کے قربان کرنے کی اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دے سکتا، انسانوں سے محبت ہوتی ہے، حقیقی بھائی سے محبت ہوتی ہے، بہن سے محبت ہوتی ہے، ماں باپ سے محبت ہوتی ہے، استاد سے محبت ہوتی ہے، کسی سے روحانی فائدہ پہنچا ہو اس سے محبت ہوتی ہے اور محلے والوں سے محبت ہوتی ہے، رفیق کار سے محبت ہوتی ہے، بعض ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے محبت ہے ان سے قربانی، مثلاً کسی کو اپنی شیروانی پسند ہے، تو اسکی قربانی کیا ہوگی، کسی کو اپنی گھڑی پسند ہے، کسی کو اپنا عصا پسند ہے، تو ہر چیز کی قربانی نہیں ہو سکتی، قربانی جانور کی ہو سکتی ہے، اس لیے مرغوبات کی قربانی کا نمائندہ بنایا اللہ تعالیٰ نے مظہر بنایا جانور کو، اس میں محبوب چیز کی قربانی کا پورا مظاہرہ آ گیا، عمل آ گیا۔

اور دوسری بات یہ کہ اس میں رد شرک ہے اور رد شرک اتنا بڑا ہے کہ کسی اور چیز سے اتنا رد شرک ہو ہی نہیں سکتا، جس کی پرستش کی جا رہی ہے، اس کو لٹا کر ہم اس پر چھری پھیر رہے ہیں اور اس کو ذلیل کر کے اللہ کا نام تو لیتے ہیں لیکن بالکل اس کو بے بس بنا کر قربان کر رہے ہیں۔

(قرآنی افادات، جلد دوم، صفحہ نمبر ۷۴-۷۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد: ۸ — ستمبر ۲۰۱۶ء — شمارہ: ۹

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

قربانی کا مقصد

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكاً لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾

(اور ہر قوم کے لیے ہم نے قربانی رکھی ہے تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو انھیں اللہ نے دیئے ہیں (اور قربانی کریں) بس تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے تو اسی کے لیے جھک جاؤ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجیے)

(الحج: ۳۴)

فی شمارہ: -/Rs.10 — Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زر تعاون: -/Rs.100

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

فہرس

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو (اداریہ)..........۳
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی

صلیبی جنگوں میں مسلم کردار..........۴
..........ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم

اخلاقی برائیاں..........۵
..........حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

حلال کمائی کی اہمیت..........۶
..........مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی-قرآن کریم کے آئینہ میں..........۸
..........بلال عبدالحی حسنی ندوی

قائد ملت کی صفات-قرآن کریم کی روشنی میں..........۱۰
..........عبدالسبحان ناخدا ندوی

جماعت پانے کے مسائل..........۱۲
..........مفتی راشد حسین ندوی

عیدالاضحیٰ-مختلف احکام ومسائل..........۱۵

قربانی کی اہمیت..........۱۹
..........محمد ارمغان بدایونی ندوی

اسلام میں پاپائیت نہیں!..........۲۰
..........محمد نفیس خاں ندوی

وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت

نتیجۂ فکر: ماہر القادریؒ

حرم میں اذان سحر اللہ اللہ
کہ ہیں وجد میں بحر و بر اللہ اللہ

یہ ہر طواف یہ ملتزم پر دعائیں
یقین قبول و اثر اللہ اللہ

مقام براہیم پر یہ نمازیں
یہ ہر سجدہ معراج سر اللہ اللہ

دھڑکتے ہوئے دل کا لے کر سہارا
مناجات باچشم تر اللہ اللہ

تصور میں ہے ایک زندہ حقیقت
تخیل بھی ہے معتبر اللہ اللہ

تجلی میں دھوئے ہوئے سنگریزے
یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ

جلال الٰہی کی تابندگی میں
جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ

یہ میزاب رحمت وہ رکن یمانی
مقامات اہل خبر اللہ اللہ

وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت
مسلسل ہے پیش نظر اللہ اللہ

مدیر کے قلم سے

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دنیائے انسانیت کے لیے تاریخ کی وہ سنہری کڑیاں یادگار ہیں جب مسلمانوں نے دنیا کی کمان سنبھالی تھی اور دنیا کو صرف علوم وفنون ہی نہیں بلکہ اخلاق وکردار اور محبت وانسانیت کے وہ انمول اصول دیئے تھے کہ دنیا گلزار بن گئی تھی، تعلیمی اداروں اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے لے کر اسپتالوں اور شفاخانوں تک انسانیت اور اخلاق و ہمدردی کے ایسے نمونے تاریخ میں ملتے ہیں کہ آج ان کا تصور ہی مشکل ہو گیا ہے، لیکن صرف اس وجہ سے کہ دنیائے عیسائیت مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتی تھی- گرچہ اس نے مسلمانوں ہی سے علوم وفنون کی بنیادیں حاصل کی تھیں- اس نے صلیب کے نام پر مسلمانوں سے ٹکرانے کی پالیسی اختیار کی اور گیارہویں صدی عیسوی میں صلیبی سپہ سالار گاڈفرے (Godfrey) کی قیادت میں دس لاکھ صلیبیوں نے قدس پر حملہ کیا اور صرف مسجد اقصی کے آس پاس ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کیا، جن کے خون میں عیسائی فاتحین کے گھوڑے گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے تھے، لیکن پھر اللہ نے زنگی خاندان کو کھڑا کیا اور تیسری صلیبی جنگ میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے مسجد اقصی کو بازیاب کیا اور پھر مسلسل ان صلیبیوں کو دو سو سال تک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

آخری جنگ میں جو لوئس نہم کی قیادت میں لڑی گئی صلیبیوں کو سخت ناکامی ہوئی اور لوئس بیمار پڑ گیا، اس نے اپنے مرض الموت میں ایک وصیت نامہ لکھا جو اس وقت عیسائی دنیا کی ترقی کی بنیاد ہے، لیکن اس سے ان کی اخلاقی پستی کا بھی اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے، وصیت نامہ کے چار بنیادی پوائنٹس ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) مسلمان قائدین کے درمیان تفرقہ ڈالنا اور پھر جہاں تک ممکن ہو ان ٹکڑوں کو بھی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ ان کی قوت بکھر جائے۔

(۲) اسلامی ملکوں میں حکومت کا نظام ابتر کرنا اور اس کے لیے رشوت ستانی، فساد اور بے حیائی کو اس طرح عام کر دینا کہ چول اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

(۳) کسی ایسی جماعت یا لشکر کو ہرگز منظم نہ ہونے دینا جو اسلامی پیغام پر ایمان راسخ رکھتا ہو اور اپنے ملک و وطن کے حق کو سمجھتا ہو، اور دین کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو۔

(۴) ایسے یورپین ایمپائر کا قیام جو جنوب میں غزہ سے لے کر شمال میں انطاکیہ تک چلا گیا ہو اور پھر مشرق میں اس کی سرحدیں اس قدر وسیع ہوں کہ وہ یورپ تک پہنچ جائے۔ (الغزو الفکری، ص:۲۹-۳۰، ڈاکٹر اسماعیل علی محمد)

افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اپنی سادہ لوحی میں اس مکاری کو سمجھ نہ سکے اور اس حملہ کو سہار نہ سکے اور غفلت کا شکار ہوتے چلے گئے، ان کو لڑوایا گیا، اخلاقی دیوالیہ پن ان میں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، نتیجہ یہ نکلا کہ حالات کچھ کے کچھ ہوتے چلے گئے۔

دنیا پر مغربی سامراج کے نتیجہ میں ذہن ودماغ یورپین بنا دیئے گئے، اسلام سے نفرت پیدا کی گئی اور سب کچھ ہو جانے کے بعد جمہوریت کا جھنڈا بلند کیا گیا اور آزادی کی صور پھونکی گئی، جو ممالک طویل عرصہ تک غلامی کا شکار رہ چکے تھے سامراج کے بعد بھی ان کے ذہن غلامی کا شکار رہے، پھر آہستہ آہستہ مسلمانوں میں بیداری پیدا ہونا شروع ہوئی اور ادھر تقریباً اسّی سالوں میں بڑی تبدیلیاں وجود میں آئیں، یورپ وامریکہ نے اس کو محسوس کیا، اور پھر اسی وصیت نامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ پہلے کیا گیا تھا اسی انداز کو انھوں نے جدید وسائل کے

ساتھ دوبارہ شروع کر دیا۔

اس وقت دنیائے اسلام کے جو حالات ہیں ان کا گہری نظر سے جائزہ لینے والا اس کو محسوس کر سکتا ہے کہ ہر جگہ بظاہر مسلمان مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے، لیکن ایک عام نگاہ اس کو محسوس نہیں کرتی کہ بندوق کہاں سے چلائی جا رہی ہے اور کس کا کاندھا استعمال ہو رہا ہے، ملک سے ملک ٹکرا رہے ہیں، جماعتوں میں انتشار پیدا کیا جا رہا ہے، معمولی معمولی باتوں پر جانیں لی جا رہی ہیں، لیکن دیکھنے کی ضرورت یہ ہے کہ ریموٹ کس کے ہاتھ میں ہے اور مسلمان جو کبھی فیکٹر (Factor) ہوا کرتے تھے آج صرف ایکٹر (Actor) بن کر رہ گئے۔

اس وقت شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ زمینی سطح پر محنت کی جائے، ذہنوں کو بلند کیا جائے، قوت عمل پیدا کی جائے، ایمانی فراست و بصیرت کو جگایا جائے، علم کے خزانوں کو تلاش کیا جائے، اس کے لیے بہترین ادارے قائم کئے جائیں، اختلافات کو صرف اختلافات کی حد تک رہنے دیا جائے، ان کو جدال وقتال سے بالکل دور رکھا جائے اور ان حکمرانوں کی بھی بڑی ذمہ داری ہے جن کو اللہ نے طاقت دی ہے کہ وہ بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں، پوری مغربی طاقتیں تاک میں ہیں کہ اسلام کے نام پر جو قدم بھی بڑھایا جائے گا وہ بڑھنے سے پہلے ہی شل کر دیا جائے گا اور اس کے ہزار بہانے تراشے جائیں گے، پھر جمہوریت اور آزادی کا برملا خون کیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود بھی یہ دلفریب نعرے باقی رہیں گے، مسلمانوں میں ہر طبقہ کو اپنی ذمہ داری سمجھنی ہے اور ہر طرح کی جذباتیت سے بلند ہو کر اللہ کے نبی (ﷺ) کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر آگے بڑھنا ہے کہ پہلے بھی یہی ترقی کا راز تھا اور آج بھی اسی میں ترقی مضمر ہے۔

صلیبی جنگوں میں مسلم کردار

عیسائیوں کی سفاکی کے ۹۰/ سال بعد صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا، آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، وہاں قریب ایک لاکھ مغربی باشندے آباد تھے، انہوں نے ان کو جان و مال کی امان دے دی اور ہر شخص سے نہیں بلکہ محض صاحبان استطاعت سے ایک معمولی رقم لے کر سب کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی، ان کو جانے کی تیاری کے لیے چالیس دن کی مہلت بھی دی، اس طرح وہاں سے ۸۴/ ہزار انسانوں کا نہایت اطمینان اور امن وامان کے ساتھ انخلا عمل میں آیا، جو عکا وغیرہ میں اپنے متعلقین کے ہاں پہنچے، پھر بہت سے نادار لوگوں کو بغیر کسی فدیہ کے چھوڑ دیا گیا اور ان کے بھائی ملک عادل نے ۲/ ہزار آدمیوں کا فدیہ اپنے جیب خاص سے دیا اور عورتوں سے تو انہوں نے ایسا سلوک کیا جو آج کل کے کسی مہذب فاتح سے متوقع تو کجا، وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، پھر جب عیسائی پیٹر آف یارک نے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا تو سلطان نے اس کو اجازت دے دی، اس کے پاس ''پیچ''، ''صخرہ''، ''اقصیٰ'' اور ''قیامت'' کی بے شمار دولت تھی، جس کی صحیح مقدار اللہ ہی کو معلوم ہے، بعض مشیروں نے صلاح الدین کو مشورہ دیا کہ اس کی دولت ضبط کر لی جائے، لیکن سلطان نے ان کو یہ جواب دیا: ''میں کسی حال میں عہد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا''، اور اس سے بھی صرف اس قدر فدیہ وصول کیا جو ایک عام فرد سے لیا گیا تھا، لیکن جس چیز نے صلاح الدین کے فتح بیت المقدس کے موقع پر ان کے طرز عمل کو چار چاند لگا دیئے وہ یہ تھی کہ انہوں نے قدس کے تمام انخلا کنندہ عیسائیوں کے ساتھ اپنے محافظین بھی بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو صور اور صیدا کی عیسائی آبادیوں تک ان کے عیسائی بھائی بندوں کے پاس حفظ وامان کے ساتھ پہنچا دیں، حالانکہ اس وقت پوری عیسائی دنیا مسلمانوں سے برسرپیکار تھی، کیا ایسی باتیں سن کر آپ اپنے عالم بیداری میں ہونے کا یقین دلا سکتے ہیں؟

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو: ۱۵۳-۱۵۴)

اخلاقی برائیاں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ......﴾(الحجرات: ۱۱)

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی بھی ایک دوسرے کا تمسخر نہ کریں، اس کا امکان ہے کہ وہ تم سے اچھے ہوں، (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) اور نہ ہی عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں، اس کا امکان ہے کہ وہ تم سے اچھی ہوں (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) اور تم برے انداز سے اپنا ذکر نہ کرو، اور آپس میں ایک دوسرے کو برے القاب سے خطاب نہ کرو، ایمان لانے کے بعد یہ گندا طریقہ ہے، اور جو توبہ نہ کرے تو سمجھ لو کہ وہ بدراہ لوگوں میں شمار ہوگا)

اس آیت میں بعض اہم بیماریوں کی طرف نشاندہی کی گئی ہے، انسانی سماج میں جس طرح تمام لوگ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے سے قربت رکھتے ہیں، بعض کا خاندانی تعلق بھی ہوتا ہے، تو اس میں ایک دوسرے کا احترام وعزت کرنا ضروری ہے، اور آپس میں ایک دوسرے پر تبصرہ بازی یا طنز کرنا، ایسے ناموں سے مخاطب کرنا جن سے کسی کی بے عزتی محسوس ہوتی ہو اسلامی مزاج کے خلاف بات ہے، اسی لیے اس آیت میں وضاحت کے ساتھ اہل ایمان کو ایسے کام کرنے سے روکا گیا ہے، کیونکہ بسا اوقات آدمی کسی کے بارے میں تبصرہ کرتا ہے یا کوئی ایسا جملہ کہتا ہے جس سے اس کو اپنی بے عزتی محسوس ہو، یا کسی شخص کی کوئی بات لے کر ہنسی اڑاتا ہے، تو اس سے سامنے والے انسان کو اپنی توہین محسوس ہوتی ہے، اور مزاق اڑانے والا شخص یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ اس سے بڑا ہے، یہ ساری غلط حرکتیں اس بات کی علامت ہوتی ہیں کہ تم سامنے والے کو کمزور سمجھ رہے ہو، یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ شخص ہمارا کچھ نہیں کرسکتا، ہم جو چاہیں کریں، جس لفظ سے چاہیں خطاب کریں، ہم چاہیں تو اس کو ''اے ٹھگنے آدمی'' کہہ کر پکاریں، چاہیں تو ''اے لمبو'' کہہ کر پکاریں، یہ ایک انسانی عادت ہے کہ ہر انسان دوسرے کی خامیاں نکالنے کی فکر میں رہتا ہے، اور اپنے عیوب کی طرف نظر نہیں کرتا، اس لیے فرمایا گیا کہ انسانوں کی یہ سب عادتیں غلط ہیں، اسلام سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، کسی کو کسی کا تمسخر نہیں کرنا چاہیے، یہ سب عادتیں تکبر کی قسم سے ہیں، ممکن ہے کہ تم جس کو برا سمجھ رہے ہو، جس کو معمولی سمجھ رہے ہو اس کا مقام اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بلند و بالا ہو، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت وتقوی ایسا ہو کہ اگر وہ اللہ کی طرف سے کسی مسئلہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو جھوٹا ثابت نہ کرے، بلکہ ویسا ہی کرے جیسا کہ اس نے کہا ہو، حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ بسا اوقات ایسا آدمی جس کا لباس بھی ٹھیک نہیں ہوتا، بالکل بے سلیقہ معلوم ہوتا ہے اگر وہ کسی مجلس میں اللہ کی قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم کو ضرور پورا فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا ہم لوگ دنیا میں جس شخص کو کمتر سمجھتے رہے، مزاق اڑاتے رہے، کل قیامت کے دن اس کا نامہ اعمال ہم سے زیادہ باوزن ہوگا۔

عیب جوئی، تبصرہ بازی، غلط القاب سے مخاطب کرنے کی ممانعت کے لیے عورتوں کو بھی الگ سے خطاب کیا گیا، کیونکہ عورتوں میں یہ بیماری زیادہ پائی جاتی ہے، جہاں وہ خالی بیٹھی ہوتی ہیں، وہاں ان کے پاس سوائے تبصرہ بازی کے اور کوئی کام نہیں ہوتا، اس لیے ان کے یہاں ان تمام باتوں کے زیادہ امکانات رہتے ہیں، اسی لیے ان کو خاص طور پر ان باتوں سے روکا گیا، اور ان سے بھی یہی کہا گیا کہ ممکن ہے تم جس کا مزاق اڑا رہی ہو، اس کا مرتبہ اللہ کے یہاں تم سے زیادہ ہو، لہٰذا ایسے تمام القاب و آداب اختیار کرنے سے احتیاط کرو جن سے کسی کی توہین ہوتی ہو، اس کے بعد آیت کے اخیر حصہ میں فرمایا گیا کہ دلوں میں ایمان کے جاگزیں ہوجانے کے بعد یہ سب باتیں کرنا بہت ہی گندی بات اور گندا طریقہ ہے، اس کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں، یوں بھی یہ تمام باتیں اپنی جگہ پر بری ہیں، مگر ایمان کے ساتھ ان باتوں کی برائی مزید بڑھ جاتی ہے، پھر یہ چیزیں فسوق میں داخل ہوجاتی ہیں، اس لیے جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں، اس کے حکموں پر چلتے ہیں، ان کو ان چیزوں سے بچنا چاہیے اور کئے ہوئے عمل پر توبہ کرنی چاہیے، کیونکہ معاشرہ میں ان بیماریوں کے موجود رہنے پر آپس میں انتشار پیدا ہوجائے گا، ہر ایک کا انتقامی مزاج بن جائے گا، جس معمولی اور کمزور شخص کا تم مزاق اڑاؤ گے یا اس کو غلط القاب سے پکارو گے، اگر وہ آگے چل کر کسی منصب پر فائز ہوگیا تو اس کے اندر تمہارے خلاف ایک انتقامی جذبہ پیدا ہوگا اور تمہاری زندگی خطرہ میں پڑجائے گی۔......................(باقی صفحہ ۹ پر)

حلال کمائی کی اہمیت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور ابتداء ہی سے دنیوی زندگی میں اس کو اس بات کا مکلّف کیا کہ وہ محنت کر کے کھائے کمائے، کیونکہ جنت میں بغیر محنت کے اور بغیر کمائے سب کچھ میسر ہوگا، جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو ایسے ہی رہتے تھے لیکن جب دنیا میں آئے تو ان کو مکلّف کیا گیا کہ وہ بھی محنت و مزدوری کر کے کھائیں کمائیں، اسی طرح ان کی اولاد کو بھی قیامت تک کے لیے اس بات کا مکلّف کر دیا گیا کہ وہ اپنی محنت سے اپنی ضروریات پوری کریں، چونکہ دین اسلام تمام انسانی ضروریات کے بارے میں رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا کھانا کمانا جو ایک بنیادی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں بھی دین اسلام نے خاص رہنمائی فرمائی ہے، کھانے کمانے کا بنیادی ذریعہ (مال) کو قرآن مجید میں "قیـامـا" کہا گیا ہے: "قیـامـا" کا یہ لفظ کسی اور چیز کے بارے میں نہیں آیا ہے بلکہ صرف کعبہ اور مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے، گویا ان دو چیزوں پر لوگوں کا دار و مدار ہے، کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی شخص بھی نہیں ہے جو بغیر کھائے رہ سکے، نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی نبی تھا، یہاں تک کہ بڑے سے بڑا روحانی مقام پر فائز شخص بھی کھائے بغیر نہیں رہ سکتا، عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو اللہ کا ولی ہے اس کو کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے دنیا میں کسی کو ایسا نہیں بنایا کہ وہ بغیر کھائے پوری زندگی گزار سکے، کوئی انسان محنت و مجاہدہ کے ذریعہ یہ تو کر سکتا ہے کہ انسان دو روز نہ کھائے یا پانچ روز نہ کھائے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ بالکل ہی نہ کھائے، کیونکہ جسم کھانا مانگتا ہے، اس لیے کہ جسم کا تعلق کھانے سے ہے اور روح کا تعلق کعبہ سے ہے لہٰذا اگر کعبہ نہیں ہے تو انسان کا روحانی اعتبار سے دیوالیہ ہو جائے گا، معلوم ہوا کہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں، کعبہ سے روحانی فیض ہوتا ہے اس لیے کہ وہ بنوایا ہی اس لیے گیا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے، روایت میں آتا ہے کہ جب تک ایک آدمی بھی اللہ کہنے والا باقی ہے اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی کیونکہ لفظ اللہ میں ایسی طاقت ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا ہیچ در ہیچ ہے، روایت میں آتا ہے کہ اللہ کے نام میں ایسا ثقل ہے کہ جس پلہ میں رکھ دیا جائے وہ پلہ جھک ہی جائے گا، اسی لیے اللہ کے لفظ ہی میں اللہ نے یہ طاقت رکھی ہے کہ اگر کوئی استحضار کے ساتھ اور معانی کو سمجھ کر اللہ کہے تو اس کے اندر اتنی ہی طاقت بڑھتی جاتی ہے، جس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک معمولی قسم کا کھانا ہوتا ہے جس سے طاقت کم آئے گی لیکن اگر کوئی مقویات استعمال کرے، تو اس کی جسمانی طاقت مزید بڑھ جائے گی، اسی طرح اگر اللہ سے صحیح معنی میں تعلق قائم ہو جائے تو روحانی اعتبار سے بھی انسان طاقتور ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جو اللہ کے لفظ سے جڑتا چلا جاتا ہے اور لا الہ الا اللہ سے اس کا تعلق ہوتا ہے تو اس کے اندر بھی روحانی طاقت بڑھ جاتی ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ نے مال کمانا ضروری قرار دیا ہے، لیکن اس کے لیے کچھ واضح احکامات و تعلیمات بھی بیان کر دی گئی ہیں کہ کس طرح کمایا جائے، تاکہ انسان محارم سے بچ سکے، کیونکہ جس طرح کعبہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے روحانی ترقی کے راستے بتائے ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک انسان باوزن بن سکتا ہے اسی طرح اگر مال کے تعلق سے بیان کئے ہوئے اصول پر کوئی انسان عمل کرے تو اس کا مال بھی خالص رہے گا اور وہ بھی حرام سے محفوظ رہے گا، اور حرام سے حفاظت کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ محنت کی کمائی کھائے تاکہ روحانی دنیا میں بھی اس کا وزن برقرار رہے کیونکہ جو شخص جس قدر سہولت پسندی سے مال کمائے گا اس کے اندر اسی قدر ہلکا پن ہوتا جائے گا، اس لیے کہ باطن کا بطن سے گہرا تعلق ہے، جس طرح تمام حکماء کا یہ کہنا ہے کہ اگر پیٹ ٹھیک ہو تو پورے جسم کا نظام صحیح ہوتا ہے، ایسے ہی روحانی اعتبار سے بھی پیٹ میں جو کچھ جا رہا ہے اگر وہ ٹھیک نہیں ہے تو روحانی نظام بھی درست نہیں رہتا ہے، معلوم ہوا صحت اچھی رکھنے کے لیے پیٹ کو درست رکھنا ضروری ہے اور روحانی اعتبار سے درست ہونے کے لیے پیٹ میں جانے والی چیز کو درست کرنا ضروری ہے یعنی حرام مال سے حفاظت، لیکن آج کل دونوں اعتبار سے معاملہ الٹا ہو گیا

ہے، نہ ہی کسی کا پیٹ ٹھیک ہے اور نہ ہی کسی کا باطن درست ہے، نتیجہ یہ ہے کہ آج پوری قوم بیماری میں مبتلا ہے، ورنہ آج سے پہلے بیماری نام کی چیز ہی نہیں تھی، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کبھی کوئی وبا آجاتی یا کوئی خاص لوگ بیمار ہوجاتے، ورنہ ایسا عموماً ایسا کچھ نہیں ہوتا تھا۔

مالیات کے سلسلہ یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ سب سے زیادہ مؤثر کمائی محنت ومزدوری والی کمائی ہے، یہ انبیاء کی بھی سنت رہی ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ وہ بڑھئی گیری کرتے تھے، کیونکہ کام کرنے پر جو اجرت حاصل ہوتی ہے اس کے حصول میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت رکھی ہے، اسی طرح بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے جو مدرسہ کے اصول لکھے ہیں ان میں یہ لکھا ہے کہ جو حضرات چندہ کرنے جائیں ان کے لیے لازمی ہے کہ جو محنت مزدوری والے لوگ ہیں ان سے بھی ایک ایک پیسہ لے لیا کریں، کیونکہ ان کا ایک ایک پیسہ ہی بہت برکت پیدا کرے گا، لیکن آج کل چندہ والوں کا مزاج بالکل الٹا ہوگیا ہے، تمام حضرات پیسہ والوں کے پاس ضرور جاتے ہیں، البتہ جو ایک پیسہ سے مدد کرسکتا ہے اس کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ اس کے ایک پیسہ میں اللہ تعالیٰ نے کیسی غیر معمولی برکت رکھی ہے۔

حلال کمائی کی برکت بھی غیر معمولی ہوتی ہے، عبادات میں بھی اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے، آج کل عبادات میں دل نہ لگنے کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ عموماً اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ انسان کا مال کہاں کا کمایا ہوا ہے؟ عبادات میں حضوری کی کیفیت کے لیے حلال کمائی کا ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ انسان کو ان دعوتوں سے بھی گریز کرنا ضروری ہے جن میں حرام کا شائبہ ہو، لیکن آج کل اکثر دعوتیں اس سے خالی نہیں ہے۔

قرآن مجید میں سود کو حرام بتایا گیا ہے اور خرید وفروخت کو حلال بتایا گیا ہے، سود ایسی چیز ہے کہ اس سے زیادہ ناپاک چیز کوئی پیدا ہی نہیں ہوئی ہے، سود خوروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان جنگ کیا ہے اور جس سے خدا برسرِپیکار ہوجائے تو اس کا کیا انجام ہوگا، اسی لیے وہ لوگ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ غلط حرکت کرتے ہیں ان کا انجام بہت برا ہوگا، معلوم ہوا کہ مال کمانے کے سلسلہ میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

بقیہ: اخلاقی برائیاں

عہد عباسی کا واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں ایک صاحب کی ناک کچھ بڑی تھی، تو بہت سے لوگ ان کا مزاق اڑاتے تھے، اور جب ان کو سلام کرتے تو کہتے "السلام علیکما" یعنی تم دونوں کو سلام ہو، تمہاری ناک کو اور تم کو، یہ طنز ایسا ہوتا تھا کہ سامنے والا شخص کچھ کہہ بھی نہ سکے، کیونکہ اگر وہ کچھ کہے گا کہ تم نے کن دو کو سلام کیا؟ تو یہ بہانہ بنادیں گے کہ ہم نے تمہاری ناک کی برائی نہیں کی، بلکہ فلاں شخص آرہا تھا اس کو سلام کیا تھا، اتفاق کی بات کہ ان صاحب کو حکومت میں کوئی منصب نصیب ہوگیا اور ایک موقع پر ان سب چڑھانے والوں کو انہوں نے قتل کرادیا، یہ تو ان کاموں کا دنیوی نقصان ہے جو بسا اوقات ہوجاتا ہے، لیکن ان تمام باتوں کا اخروی اعتبار سے بھی بہت نقصان ہے، اللہ کے یہاں ان باتوں کی سخت گرفت ہوگی۔

موجودہ دور میں ان تعلیمات کی روشنی میں ہم سب کو غور کرنا چاہیے کہ ہم ایمان والے ہونے کے ساتھ اسلامی معاشرت کے ان تقاضوں کو کتنا ملحوظ رکھتے ہیں، آج ہم ایمان والے ہونے کے باوجود کسی کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے، بسا اوقات سگے بھائی کو بھائی نہیں سمجھتے، چہ جائیکہ ایمانی بھائی کو بھائی سمجھا جائے، آج ہم صرف اپنا مفاد تلاش کرتے ہیں، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اپنے بھائی کی عزت میں اپنی عزت سمجھتے، اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے، اس کی راحت کو اپنی راحت سمجھتے، مگر افسوس کی بات ہے کہ آج ہر کوئی اپنی عظمت کے تحفظ کی فکر میں ہے، اگر ذرا بھی کسی کی کوئی بات بری لگ گئی تو فوراً ایک طوفان کھڑا ہوجاتا ہے، آج ہر ایک کو صرف اپنی عظمت کا احساس ہے، عفو ودرگزر کا مزاج ختم ہوتا جارہا ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے اندر رعایت کرنے کا مزاج ہوتا، اپنی بات کو واپس لینے کا مزاج ہوتا، آپسی رنجشوں سے بچنے کا مزاج ہوتا ہے، بھائی کے ساتھ بھائی کی طرح رعایت کرنے کا مزاج ہوتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ آپس میں اچھے تعلقات قائم کئے جائیں، اختلافات سے، غلط القاب اور تمسخر سے بچا جائے اور معاشرہ میں اتحاد واتفاق کی فضا بنائی جائے۔

سیرت نبوی ﷺ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عظمت کی ایک نشانی

آنحضور ﷺ کی عظمت کی ایک بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ ابتداء میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب بھی آپ ﷺ سے گفتگو کرنی ہوتو پہلے صدقہ کریں، اپنے دل ودماغ کو پاک کریں، اپنے آپ کو اس عظیم المرتبت ہستی سے گفتگو کے قابل کریں، ارشاد ہوا:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ﴾ (المجادلة: ۱۲) (اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں بات کرنا (چاہو) تو تم تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دیدیا کرو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور پاکیزہ تر ہے پھر اگر تمہیں (کچھ) میسر نہ ہوتو اللہ بہت مغفرت فرمانے والانہایت مہربان ہے)

لیکن بعد میں دفع مشقت کے لیے یہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ آیت اتری:

﴿أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَیْكُمْ فَأَقِیمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِیعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المجادلة: ۱۳) (کیا تم تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے سے گھبرا گئے تو جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہیں معاف کردیا تو نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے)

آیت بالا مذکورہ کے پیش نظر آج بھی علماء اس کو مستحب سمجھتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے حضور حاضری ہو اور اسلام پیش کرنا ہو تو پہلے صدقہ دے دیا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے اور پاکیزہ تر ہے۔

ان آیات میں آنحضور ﷺ کی عظمت اور مقام بلند کی طرف رہنمائی بھی ہے، حکم امت کی آسانی کے لیے منسوخ ہوگیا مگر عظمت قائم ہے، ادب کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں یہی ایمان کا تقاضہ ہے، اور یہی قرآن کا حکم ہے۔

ایذا رسانی پر اللہ کا غضب

جب آپ ﷺ کی عظمت ومحبت ایمان کی علامت نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے، تو آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے کا وبال کس قدر سخت ہوگا، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ جابجا موجود ہے، یہودیوں اور مشرکوں نے اور منافقوں نے یہ وطیرہ بنا رکھا تھا اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو ستاتے تھے، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِینَ یُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِینًا﴾ (الأحزاب: ۵۷) (جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں اللہ نے پھٹکار کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿أَلَمْ یَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن یُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیهَا ذَٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیمُ﴾ (التوبة: ۶۳) (کیا انھیں پتہ نہیں کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آئے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، اسی میں ہمیشہ رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے)

سورۂ مجادلہ میں بھی دو جگہ یہی بات فرمائی گئی:

﴿إِنَّ الَّذِینَ یُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِینَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِینَ عَذَابٌ مُّهِینٌ﴾ (المجادلة: ۵) (یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لیتے ہیں وہ خوار ہوں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ خوار ہوئے، اور ہم نے کھلی آیتیں اتار دی ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾ (المجادلة: ۲۰) (یقیناً جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت مول لیتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں ہیں)

منافقین کی ریشہ دوانیاں مستقل جاری تھیں، وہ آپس میں آنحضور ﷺ کے خلاف مشورہ کرتے تھے، اور جب کوئی کہتا کہ یہ باتیں آپ ﷺ کو پہنچ جائیں گی تو کہتے کہ کیا فرق پڑتا ہے، ہم جا کر بات بنالیں گے، آپ کا حال تو یہ ہے کہ آپ سب کی سن لیتے ہیں، قرآن مجید میں ان منافقوں کی بھی قلعی کھولی گئی ہے:

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (التوبة: ۶۱) (اور ان میں بعضے وہ ہیں جو نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو (سب) سن لیتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ صرف تمہارے بھلے کو سنتے ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں (کی بات) کا یقین کرتے ہیں اور تم میں ایمان والوں کے لیے سراپا رحمت ہیں اور جو لوگ بھی اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

اس آیت میں بات صاف کردی گئی کہ یہ آپ ﷺ کی انتہائی شفقت اور کمال رحمت ہے کہ آپ ﷺ سب کی باتیں سنتے ہیں مگر آپ ﷺ خوب جانتے ہیں کہ صحیح بات کس کی ہے؟ اور پھر کہہ دیا گیا کہ جو لوگ بھی اس طرح کی باتیں کر کے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ دنیا میں خواہ اپنے آپ کو بچالیں لیکن آخرت میں رسوائی ہی ان کا مقدر بننے والی ہے۔

مکہ مکرمہ میں جو لوگ ایذا رسانی میں پیش پیش تھے ان میں ابو جہل سرفہرست تھا۔ سورۂ علق میں اخیر کی گیارہ آیتیں اسی کے بارے میں اتریں، ارشاد ہوا:

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ☆ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ☆ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَى ☆ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ☆ أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى ☆ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ☆ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ☆ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ☆ فَلْيَدْعُ نَادِيَه ☆ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ☆ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق: ۹-۱۹) (آپ نے اس کو دیکھا جو روکتا ہے ☆ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ☆ بھلا بتائیے اگر وہ ہدایت پر ہوتا ☆ یا تقوی کی بات کہتا ☆ بھلا بتائیے اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا ☆ کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ اس کو دیکھ ہی رہا ہے ☆ خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے ☆ وہ پیشانی جو جھوٹی ہے گنہگار ہے ☆ بس وہ اپنی مجلس والوں کو بلالے ☆ ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے ☆ ہرگز نہیں آپ اس کی باتوں میں مت آیئے اور سجدے کیے جایئے اور قریب ہوتے جایئے)

یہ ابو جہل کا تذکرہ ہے، آپ ﷺ جب نماز پڑھتے تو وہ روکنے کی کوشش کرتا، ایک مرتبہ آنحضور ﷺ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل بولا کہ فلاں علاقہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے، کوئی اس کی اوجھڑی اٹھالائے، اور سجدہ کی حالت میں آپ کی پیٹھ پر رکھ دے، عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لاکر آپ کی پیٹھ پر رکھ دی، حضرت فاطمہ کمسن تھیں مگر جب ان کو معلوم ہوا تو آکر انہوں نے کسی طرح وہ اوجھڑی ہٹائی، ایک مرتبہ اس بدبخت نے یہاں تک کہہ ڈالا ''اگر آپ نے سجدہ کیا تو میں آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا''، آپ ﷺ نے جھڑک دیا تو بولا کہ ''میری پارٹی بڑی ہے میں لوگوں کو بلالوں گا''، اللہ فرماتا ہے کہ اب کر کے دیکھے، اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر ہم اس کو گھسیٹیں گے جو پیشانی جھوٹ اور مکاری سے بھری ہوئی ہے، اور وہ اپنی پارٹی کے لوگوں کو بلائے، ہم دوزخ کے سخت گیر فرشتوں کو بلالیں گے، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ روکنے کے لیے آگے بڑھا پھر اچانک رک گیا، پوچھنے پر کہنے لگا کہ مجھے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان ایک آگ سے بھری خندق نظر آئی، جس میں پر رکھنے والی کوئی مخلوق تھی، اس لیے میں آگے نہ بڑھ سکا، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر وہ آگے بڑھتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی کرڈالتے، پھر آخری آیت میں محبت بھرے انداز میں آپ ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ آپ بے خوف ہوکر سجدے کیے جایئے اور آگے بڑھتے جایئے۔

قائد ملت کی صفات

قرآن کریم کی روشنی میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

صبر و تحمل:

منصب امامت و ہدایت کے لیے صبر و تحمل ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اس جوہر سے خالی انسان دنیا میں کوئی بڑا کام انجام نہیں دے سکتا، یہ صفت اللہ کو اس قدر پسند ہے کہ محض اسی کی بنا پر کمزوروں کو اللہ نے قیادت وسیادت کے اعلیٰ منصب تک پہنچایا اور اپنے وعدے ان پر تمام کئے، بنی اسرائیل سے متعلق ارشاد ہے: ﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا﴾(الأعراف: ۱۳۷) (ہم نے کمزور سمجھی جانے والی قوم کو اس زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنایا، جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس طرح آپ کے رب کا بہترین فیصلہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے)

اسی طرح منصب قیادت پر فائز ہونے کے بعد ہدایت کا کام بھی ان ہی اصحاب عزم وہمت سے لیا جاتا ہے جو صبر واستقامت کی راہ پر قائم رہتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا﴾(السجدة: ۲۴) (ہم نے بنی اسرائیل میں بعض کو امام بنایا جو ہماری توفیق سے ہدایت کا کام انجام دیتے تھے، یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے صبر کیا)

صبر کے مختلف انداز:

صبر مشکلات کا ہوتا ہے اور جذبات کا بھی، اس میں جذبات کا صبر نہایت درجہ حساس ہوتا ہے، اور بہت زیادہ تحمل چاہتا ہے، حضرات صحابہ کرام کو مکہ میں جو صبر کرنا پڑا وہ مشکلات پر صبر تھا جس کا اپنا الگ مقام ہے اور مدینہ آنے کے بعد صبر کے ایک نہایت عجیب و غریب مرحلہ سے ان کو گذارا گیا، بس اس مرحلہ کے مکمل ہونے کی دیر تھی کہ فتوحات کا ایک سلسلہ شروع ہوا جیسے بند دروازے یکا یک کھل جائیں، یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا گیا صبر تھا، جس میں صحابہ کرام کامیاب رہے، اور اللہ کی طرف سے روحانی و مادی انعامات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا، اللہ کی طرف سے "سکینت" کی شکل میں اطمینان قلب کے خزانے ان پر اتارے گئے اور ان اونچے الفاظ میں دربار خداوندی کی طرف سے ان کو سند تقوی دی گئی: ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾(الفتح: ۲۶) (اللہ نے تقوی کی بات کو ان سے وابستہ کردیا، واقعی وہی اس کے حق دار تھے، اور اس کی پوری اہلیت رکھتے تھے)

افسوس ہے کہ عجلت پسندی کے مزاج نے ہمارے داعیانہ کردار پر بہت برا اثر ڈالا ہے، مکی دور کے ابتدائی زمانہ میں بعض صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے کفار کے ظلم وستم کی شکایت کی تھی: " ألا تدعو لنا؟ ألا تستنصر لنا؟" (کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ کیا آپ ہمارے لیے مدد نہیں چاہیں گے؟) آپ ﷺ تو سراپا رحمت تھے دعا ضرور فرمائی ہوگی، لیکن امت کے مزاج کو صبر واستقامت کی ڈگر پر ڈالنا تھا، اس لیے سوال کے جواب میں اگلے لوگوں کی مثالیں پیش فرمائیں کہ انہوں نے کیسی کیسی قربانیاں دیں، پھر بشارت بھی سنائی، اور سب سے آخر میں یہ بات ارشاد فرمائی: "ولكنكم قوم تستعجلون" (تم لوگ بس جلدی مچاتے ہو) معلوم ہوا کہ جلد بازی کا مزاج نبوی مزاج نہیں ہے، نبوی مزاج یہ ہے کہ نتائج کا انتظار کئے بغیر مشن کو جاری رکھا جائے، فی الوقت افسوس ہے کہ ہمارا یہ مزاج نہیں بن پا رہا ہے۔

بہر حال صبر وتحمل کی صفت انسان کو منصب امارت کا اہل بناتی ہے، پھر اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کی راہ بھی دکھاتی ہے، اسی کے ذریعہ انسانیت کی مشعل فروزاں رہتی ہے اور ہدایت کے چراغ روشن رہتے ہیں، دعوت وعزیمت کی داستان اسی کے ذریعہ رقم کی جاتی ہے، اس کے نقوش دھندلا نہیں سکتے، قدرت خداوندی کا فیصلہ

یہ ہے کہ اہل صبر کو بے حساب بدلہ دیا جائے گا، قرآن کریم میں صبر کے سوا کسی اور وصف پر بے حساب اجر کا وعدہ نہیں ہے: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۰)

جهد مسلسل:

یہ صبر ہی کا ایک حصہ ہے، حوصلہ مند قائدین کبھی ہمت نہیں ہارتے، عاجزی اور کم ہمتی سے اس امت کا کوئی تعلق نہیں، مایوسی اس کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتی، ایک مرتبہ ایک صحابی کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی تھی جو درحقیقت پوری امت کے نام آپ کا پیغام تھا: "استعن باللہ و لا تعجز" (اللہ سے مدد مانگو اور ہمت نہ ہارو) نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے لیے اللہ کا فرمان یہ تھا: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ (ھود: ۱۱۲) (آپ کو جیسا حکم دیا گیا ہے اسی طرح آپ جمے رہیے) یعنی دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن عزیمت اور استقامت کی راہ کبھی فراموش نہ ہو، مکہ والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ آپ ﷺ اپنے کام چھوڑ دیں، ابو طالب بھی کچھ مشرکین کے ہم نوا سے لگے تو آپ ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ نبوی استقامت کا مظہر ہیں، اور اصحاب عزیمت کے لیے باعث صد ناز و ہزار افتخار، "چچا جان! اگر یہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تب بھی یہ ممکن نہیں"۔

راہ خدا کی یہ مسلسل جدو جہد تھی جس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے سارے راستے آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کے لیے ہمیشہ کے واسطے کھول دیئے گئے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۹) (جو لوگ ہمارے راستے میں جدو جہد کریں گے ہم اپنے سب راستے ان کے لیے کھول دیں گے، اللہ تو اہل احسان کے ساتھ ہے)

بصیرت:

بصیرت قلب ونظر کے اس نور کو کہتے ہیں جس کی روشنی میں انسان کبھی دھوکہ نہیں کھاتا، اور ہر چیز کو بالکل اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح وہ حقیقت میں ہوتی ہے، ملمع سازی اور ظاہری چمک دمک سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا اور نہ دنیا کی رنگارنگی کا کوئی اثر قبول کرتا ہے، حقائق پر گہری نظر اسے آنے والے حالات سے بھی باخبر رکھتی ہے، وقت کے فتنوں کو خوب سمجھتا ہے، اور اس کی پوری تیاری کرتا ہے، ذہنی و عملی دونوں طرح کی تیاری، حقیقت یہ ہے کہ قوم کو آگاہ کرنے اور بیدار رکھنے کا کام جس کے لیے قرآن کریم "انذار" کا بلیغ لفظ استعمال کرتا ہے، نور بصیرت کے بغیر مشکل ہے، یہ بصیرت "تفقه فی الدین" یعنی دین کی پوری سمجھ رکھنے پر ہی حاصل ہوتی ہے، اسی کا نام دینی بصیرت ہے جو قیادت کے لیے بے حد ضروری ہے، بسا اوقات حالات کا تقاضہ کچھ اور ہوتا ہے اور گہری دینی بصیرت کچھ اور قدم اٹھانے پر آمادہ کرتی ہے، اس کا ایک نمونہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہمیں نظر آتا ہے، جب ہر طرف سے ارتداد کی خبریں آرہی تھیں، دوسری طرف ایک بڑی جماعت زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر رہی تھی، اس وقت اکثر صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے بلکہ کسی اور طریقہ سے اس پیچیدہ معاملہ کو حل کیا جائے، اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کی تنہا ذات تھی جس نے پوری بصیرت کے ساتھ یہ اعلان کیا: "أینقص الدین و أنا حی" (کیا میرے زندہ رہتے ہوئے دین کو نقصان پہنچایا جائے گا؟ دین کو زک پہنچائی جائے گی اور میں زندہ رہوں؟) دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی یہ آواز تمام صحابہ کے دل کی آواز بن گئی، پھر تاریخ نے دیکھا کہ صدیق اکبر کی اس دینی بصیرت نے کتنا بڑا انقلاب برپا کیا، فتنے بجھ گئے، بغاوت سرد پڑ گئی، خلافت مضبوط ہوئی، اور فتوحات کا ایک باب کھل گیا جو دور فاروقی میں اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔

بصیرت خود اعتمادی عطا کرتی ہے اور ہر طرح کے حالات سے ٹکر لینے کا حوصلہ بخشتی ہے، نبی اکرم ﷺ بصیرت کے معیار کمال پر فائز تھے، ہر طرح کے معاملہ سے نمٹنے کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس مکمل تیاری ہوتی، ممکن حد تک ظاہری تیاری اور آخری حد تک ذہنی تیاری، جو یقین کامل کی بنیاد پر آپ ﷺ کو حاصل تھی، راوی کہتے ہیں: "لکل حال عنده عتاد" (ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس بھرپور تیاری ہوتی) یہ صفت پھر آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں منتقل ہوئی، یہاں تک کہ صحابہ کرام کے قدم جہاں پڑے وہاں کی رت ہی بدل گئی، دین بدلا، تہذیب بدلی، معاشرت بدلی، یہاں تک کہ زبان تک بدل گئی...... (باقی صفحہ ۱۴ پر)

جماعت پانے کے مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

تنہا کسی فرض نماز کو شروع کرنے کے بعد اسی نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا کرے؟

کسی شخص نے کوئی فرض نماز تنہا پڑھنی شروع کی اسی درمیان اسی نماز کی جماعت ہونے لگی تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر صورت کا حکم الگ ہوگا۔

۱- اگر ابھی نماز کی شروعات ہی کی تھی سجدہ نہیں کیا تھا، اس سے پہلے ہی جماعت کھڑی ہوگئی تو نماز چاہے چار رکعت والی ہو چاہے تین رکعت یا دو رکعت والی، جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اسے چاہیے کہ کھڑے کھڑے ہی ایک طرف سلام پھیر کر اپنی نماز توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔

۲- اگر دو یا تین رکعات والی نماز تھی (فجر یا مغرب) تو اگر پہلی رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تب بھی حکم یہی ہے کہ دوسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جماعت کھڑی ہوگئی ہو تو اپنی نماز ایک طرف سلام پھیر کے توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے۔

۳- اگر چار رکعت والی نماز تھی لیکن اس نے پہلی رکعت کا سجدہ کر لیا تھا تو اب حکم یہ ہے کہ ایک رکعت مزید ملا لے اور دو رکعت مکمل کر کے سلام پھیرے پھر جماعت میں شامل ہو، اس طرح یہ دو رکعت نماز نفل ہو جائیں گی، ان کا ثواب الگ ملے گا اور جماعت بھی مل جائے گی، اس کا بھی ثواب حاصل ہوگا۔

۴- اگر فجر یا مغرب کی نماز میں دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہے تو اب اپنی نماز پوری کرے جماعت میں شریک نہ ہو۔

۵- چار رکعات والی نمازوں میں اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو اب نماز مکمل کر لے، فرض اسی سے ادا ہو جائے گا، اس صورت میں اپنی نماز کو توڑ کر جماعت میں شامل ہونا منع ہے، البتہ نماز مکمل کرنے کے بعد ظہر اور عشاء کی نماز رہی ہو تو امام کے ساتھ نفل کی نیت سے شریک ہو جانا مستحب ہے، ایسا کرنے سے انشاء اللہ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور اگر عصر کی نماز رہی ہو تو اپنی نماز مکمل کرنے کے بعد جماعت میں شامل نہیں ہوگا، اس لیے کہ عصر کی فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو، لیکن اگر ابھی تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا تو کھڑے کھڑے ایک طرف سلام پھیر کر اس نماز سے نکل آئے گا اور فرض کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جائے گا، چاہے ظہر ہو یا عصر ہو یا عشاء ہو۔

(شامی:۱/ ۵۲۵-۵۲۶، ہندیہ:۱/ ۱۱۹)

نفل یا سنت پڑھنے کے دوران جماعت شروع ہو جانا:

اگر نفل یا سنت نماز پڑھ رہا تھا (خواہ وہ ظہر یا جمعہ سے پہلی والی سنت ہی کیوں نہ ہو) اسی درمیان جماعت کھڑی ہوگئی یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو گیا تو اگر ابھی دو رکعت پوری نہیں ہوئی تھیں تو دو رکعت پوری کر لے پھر سلام پھیر کے جماعت میں شامل ہو جائے، اور اگر سنت کی تیسری رکعت شروع کر چکا تھا اور تیسری رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تھا تو اب چوتھی رکعت پوری کر کے ہی جماعت میں شامل ہو، اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا تو اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ قعدہ کی طرف فوراً لوٹ جائے اور سلام پھیر کے جماعت میں شامل ہو جائے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی چار رکعت مکمل کرنے کے بعد ہی سلام پھیرے، یہ قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ (شامی:۱/ ۵۲۸، ہندیہ:۱/ ۱۲۰)

جماعت شروع ہونے کے بعد سنت فجر کا مسئلہ:

بعض ائمہ کے نزدیک جب جماعت کھڑی ہو جائے تو کسی بھی نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کھڑی کر دی جائے تو فرض کے سوا کوئی بھی نماز جائز نہیں ہے۔'' (مسلم:۱۶۴۴)

لیکن احناف اور مالکیہ اس حدیث کے حکم سے سنت فجر کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اس پر وہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں:

۱- احادیث میں سنت فجر کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے، مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نوافل میں

سے کسی کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا صبح سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔ (مسلم:۱۶۸۶)

اور حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعتیں مت چھوڑو اگر چہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

(ابوداؤد:۱۲۵۴، مسند احمد:۹۲۴۲)

۲-صحابہ کرام کے آثار منقول ہیں کہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد بھی وہ مسجد کے کسی گوشہ میں سنت فجر پڑھ لیا کرتے تھے، چنانچہ ابو اسحاق نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا عمل نقل کیا ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوگئی تھی تو انہوں نے ایک ستون کی آڑ لے کر سنت فجر پڑھی پھر جماعت میں شامل ہوئے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل يدخل المسجد، ومصنف عبد الرزاق: ٤٠٢١)

اسی طرح کے آثار حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابودرداء وغیرہم سے بھی منقول ہیں۔(دیکھئے: طحاوی باب الرجل يدخل المسجد والامام في صلاة الفجر)

ان احادیث وآثار سے جواز کا پتہ چلتا ہے لیکن احناف نے اس کے لیے کچھ تفصیلات ذکر کی ہیں ان کا خیال رکھنا ضروری ہے، ہم ذیل میں ان کا ذکر کر رہے ہیں:

۱-اگر ظن غالب یہ ہے کہ فجر کی سنت پڑھنے میں مشغول ہوئے تو جماعت چھوٹ جائے گی تو ایسی صورت میں جماعت میں شامل ہوجائے، سنت اس وقت نہ پڑھے، بلکہ جب اشراق کا وقت ہوجائے یعنی سورج نکلے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہوجائیں تو اس وقت سے لے کر زوال سے پہلے تک ان کو پڑھ سکتا ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا: ”جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں وہ ان کو سورج نکلنے کے بعد پڑھے“ (ترمذی:۴۲۳)

احناف کے نزدیک فجر کے فرض کے بعد سورج نکلنے سے پہلے ان رکعتوں کا پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، یہاں تک کہ سورج نکل آئے۔(بخاری:۵۸۱)

۲-اگر اس کی امید ہے کہ سنت پڑھنے کے باوجود ایک رکعت مل جائے گی اور جہاں جماعت ہو رہی ہے اس سے بالکل الگ تھلگ کوئی جگہ ہے جہاں سنت پڑھ سکتا ہے یا وہ اپنے گھر میں ہے اور نماز کا جو وقت مقرر ہے اس کے اعتبار سے اس کو اندازہ ہے کہ ایک رکعت مل جائے گی تو وہ سنت پڑھ لے اس کے بعد جماعت میں شامل ہو، اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر تشہد مل جانے کی امید ہو تب بھی سنت پڑھ سکتا ہے۔

۳-اگر مسجد کا ہال ایک ہی ہے جس میں جماعت ہو رہی ہے یا کئی ہال ہیں لیکن جماعت کی صفیں ہر جگہ موجود ہیں تو اسی جگہ سنت پڑھنا مکروہ ہوگا جہاں جماعت ہو رہی ہے، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اس طرح کی صورت حال میں سنت نہ پڑھے، اس لیے کہ سنت پڑھنے کے مقابلہ میں مکروہ سے بچنے کی اہمیت زیادہ ہے، اور سب سے زیادہ کراہت اس وقت ہوتی ہے جب جماعت کی صف ہی میں کھڑے ہو کر سنت پڑھنا شروع کردے، اس کے بارے میں لوگوں میں بڑی غفلت اور کوتاہی پائی جاتی ہے، ائمہ کو اس کی طرف خصوصی توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ (شامی:۱/۵۲۹-۵۳۰)

جماعت شروع ہونے کے بعد دوسری سنتوں کا حکم:

اوپر وضاحت ہوچکی ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد صرف سنت فجر کی گنجائش ہے، رہیں دوسری نمازوں سے پہلے والی سنتیں تو جماعت کھڑی ہونے کے بعد اگر یہ اندیشہ ہے کہ ان کی ایک رکعت بھی چھوٹ جائے گی تو سنت پڑھنا جائز نہیں ہوگا، خواہ وہ ظہر اور جمعہ سے پہلی والی سنت مؤکدہ ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جماعت میں شامل ہوجائے، اور ظہر کے بعد والی دو رکعت سنت کے بعد ان چار رکعات کو سنت کی نیت سے پڑھ لے، جہاں تک عصر اور عشاء سے پہلے والی سنتوں کا تعلق ہے تو وہ مستحب ہیں، ان کو قضاء کی نیت سے بعد میں نہیں پڑھا جائے گا، اسی طرح ظہر اور جمعہ سے پہلی والی چار رکعات کو اگر ظہر کے وقت میں نہیں پڑھا تو بعد میں ان کی قضا بھی مشروع نہیں ہے۔ (شامی:۱/۵۲۹)

جماعت کی فضیلت کب تک حاصل ہوسکتی ہے

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ۲۵/ گنا اور بعض روایات میں ہے کہ ۲۷/ گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے، سوال یہ ہے کہ جماعت کو پانے والا کس کو سمجھا جائے گا؟ جمہور فقہاء

احناف کے نزدیک اگر امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں بھی شامل ہوگیا تو اسے انشاء اللہ یہ فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/۵۳۲)

تکبیر اولی پانے والا کون ہے؟:

احادیث میں تکبیر اولی سے متعلق جو فضائل وارد ہوئے ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ فضائل اسی وقت حاصل ہوں گے جب امام کے ساتھ ساتھ تکبیر تحریمہ کہے، جب کہ صاحبین کے نزدیک بعد میں بھی تکبیر تحریمہ کہنے والے کو فضائل حاصل ہوجائیں گے، پھر ایک قول کے مطابق صاحبین کے نزدیک امام کے ثناء پڑھنے کے دوران مقتدی تحریمہ کہے تب فضائل حاصل ہوں گے، اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں لیکن اصح یہ ہے کہ اگر پہلی رکعت پا گیا تو فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/۳۸۸)

بقیہ: قائد ملت کی صفات

......ایک بصیرت رکھنے والا قائد جب زبردست انقلاب برپا کرسکتا ہے تو ایک صاحب بصیرت قوم کے برپا کئے ہوئے انقلاب کا کون اندازہ کرسکتا ہے، یقین کامل اس کے لیے بنیادی شرط ہے، منصب امامت پر قائم رہنے کے لیے اس کی حیثیت بنیاد کی سی ہے: ﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ☆ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۸) (کہہ دیجئے! یہ میرا راستہ ہے، میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسی طرح میرا اتباع کرنے والے بھی، اللہ کی میں پاکی بیان کرتا ہوں، مشرکین سے میرا کوئی تعلق نہیں، خالص توحید کا علم بردار ہوں)

ایقان:

یہ قیادت وامامت کی اہم ترین شرط ہے، ہوسکتا ہے کہ سب سے اہم شرط ہو، ایقان کا مطلب اللہ پر آخری حد تک اعتماد، دین سے آخری درجہ کا تعلق، اپنے مقصد سے حد درجہ لگاؤ، اور اپنے دین کے حق ہونے کا غیر متزلزل یقین ہے، قیادت وامامت کے لیے یہ اصل بنیاد ہے، اسی سے حوصلے جوان اور عزائم ناقابل شکست رہتے ہیں، جن قدسی صفات حضرات نے تاریخ کی لوح جبیں پر عزیمتوں کی داستان رقم کی ہے ان سب کے دل صفت ''ایقان'' سے معمور تھے، زندگی کے کسی مرحلہ پر مایوسی ان کو چھو کر بھی نہیں گذری، ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (السجدة: ٢٤) (جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان کو مقتدا بنایا وہ ہماری توفیق سے ہدایت کا کام انجام دیتے تھے، وہ سب کے سب ہماری آیات پر پورا یقین رکھتے تھے)

عہد اسلامی میں
مسلم ہسپتالوں کا نظام

''ہسپتالوں میں انٹری بالکل فری تھی، مالدار، غریب، شہری، پردیسی، مشہور ومعزز اور گمنام کسی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ ہوتا تھا، ہسپتال سے باہر ہال میں اولاً مریضوں کی جانچ کرائی جاتی، مرض ہلکا ہوتا تو نسخہ لکھ دیا جاتا اور ہسپتال کے دواخانہ سے اس کو دوا دلاکر بھیج دیا جاتا، لیکن مریض کی حالت اگر اتنی نازک ہوتی کہ ہسپتال میں بھرتی کرنا ضروری ہوتا تو پہلے اس کی انٹری کردی جاتی، پھر اس کو حمام خانہ لے جایا جاتا اور کپڑے اتار کر مخصوص الماری میں رکھے جاتے، پھر عمدہ بستر بچھی ہوئی چارپائی دی جاتی، پھر ڈاکٹر جو دوا تجویز کرتا اور اس کی صحت کے موافق جو غذا جتنی مقدار میں بتاتا وہ دی جاتی، مریض کی غذا عموماً گائے، بکری، پرندے اور مرغی کے گوشت پر مشتمل ہوتی، اور جب ایک وقت میں پوری چپاتی اور پوری مرغی کھالیتا تو سمجھا جاتا کہ مریض اچھا ہوگیا، یہی شفایابی کی علامت تھی، جب نقاہت کی حالت میں ہوتا تو اس ہال میں داخل کیا جاتا جو ایسے ہی لوگوں کے لیے مخصوص ہوتا تھا یہاں تک کہ جب مکمل شفایاب ہوجاتا تو ایک نیا جوڑا اور اتنا پیسہ دیا جاتا جو اچھی طرح کام کرنے کی قدرت پیدا ہونے تک اس کی کفایت کرسکے۔

ہسپتال کے کمرے بالکل صاف ہوتے جس میں پانی جاری ہوتا تھا اور اس کے ہالوں میں خوبصورت ترین فرش بچھے ہوتے، ہر ہسپتال میں صفائی کی جانچ پڑتال کرنے والے اور مالی معاملات کی نگرانی کرنے والے افراد متعین تھے، اور اکثر اوقات خلیفہ یا امیر خود مریضوں کی عیادت کرنے جاتا تھا اور ان کی حالت دریافت کرتا تھا، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر پوری نگرانی رکھتا تھا''

(امت مسلمہ- رہبر ومثالی امت: ۱۰۱، ۱۰۲)

عیدالاضحیٰ

مختلف احکام ومسائل

قربانی کی فضیلت: قربانی کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، اصلاً اس کی مشروعیت حضرت ابراہیمؑ او رحضرت اسماعیلؑ کے واقعہ کی یادگار کے طور پر ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کے ایمان اور صدق ووفا کا امتحان لیا تھا، اس امتحان میں دونوں کو بھرپور کامیابی ملی تھی، اسی لیے قرآن مجید میں پورے واقعہ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کا مخاطب کرکے فرمایا:
﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورة الصافات:۱۰۵) (اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کردکھایا، ہم محسنین کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں)۔

ایک حدیث میں قربانی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی موجود ہے، چنانچہ حضرت زید ابن ارقمؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیمؑ کے سنت طریقہ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس میں ہمارے لیے کیا اجر وثواب ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ اون والے جانوروں میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی''۔ (احمد، ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قربانی کے دن اللہ کے نزدیک اہراق دم (قربانی) سے زیادہ محبوب عمل کوئی نہیں ہوتا، قیامت کے دن وہ اس کی سینگ، بال اور کھر کے ساتھ آئے گا اور خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے یہاں مقبولیت حاصل کرلیتا ہے لہٰذا قربانی خوش دلی سے کیا کرو''۔

لیکن تمام اعمال صالحہ کی طرح اس میں بھی نیت کا خالص اللہ کے لیے ہونا ضروری ہے، ورنہ اگر نام ونمود اور شہرت کے خیال سے قربانی کی تو مال بھی ضائع ہوجائے گا اور ثواب سے بھی محرومی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے کہ ﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ﴾ (سورة الحج:۳۷) (اللہ کو تو قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، اللہ کو تو تمہارے تقوی اور نیت پہنچتی ہے)۔

قربانی کس پر واجب ہے: قربانی ہر اس مسلمان، مرد وعورت، مقیم پر واجب ہے، جس کے پاس قربانی کے دنوں میں قرض وضع کرنے کے بعد بقدر نصاب سونا یا چاندی کی قیمت ہو جو حوائج اصلیہ مثلاً رہنے کے گھر اور سواری کرنے کے اسباب وغیرہ سے زائد ہو۔ قربانی کا نصاب صدقہ فطر کے نصاب کی طرح ہوتا ہے، زکوۃ کے نصاب کی طرح نہیں ہوتا، چنانچہ قربانی واجب ہونے کے لیے نہ سال گزرنا شرط ہے نہ مال میں نمو ہونا، اگر ان ایام میں کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ (تقریباً ۸۷ر گرام) سونا یا ساڑھے باون تولہ (تقریباً ۶۱۲ر گرام) چاندی یا اتنی چاندی کے بقدر روپیہ یا کوئی فالتو سامان مثلاً رہنے کے گھر کے علاوہ زائد گھر ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس سے زائد ہے تو اس پر قربانی واجب ہوجائے گی جب کہ زکوۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال پر سال گزر جائے، اسی طرح غیر نامی اسباب جیسے گھر پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوتی خواہ وہ رہائشی ضروریات سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔

کن جانوروں کی قربانی جائز ہے: قربانی میں صرف تین جنس کے جانور متعین کردیئے گئے ہیں:

(ا) بکرا بکری اور اس کی جنس جیسے بھیڑ اور دنبہ وغیرہ یہ جانور صرف ایک کی طرف سے کفایت کرتے ہیں، ان کی قربانی کا ذکر کئی احادیث میں وارد ہوا ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے: ''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دو سینگوں والے سیاہ وسفید رنگ کے بکروں کی قربانی فرمائی''۔ (متفق علیہ)

(۲) گائے اور اس کی جنس مثلاً بھینس اس کی قربانی سات افراد کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

(۳) اونٹ کی جنس اس کی قربانی بھی سات افراد کی طرف ہوسکتی ہے، گائے اور اونٹ کی قربانی جائز ہونے اور سات افراد کی طرف سے کافی ہونے کا ذکر بھی کئی احادیث میں آیا ہے، مثلاً ''حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گائے سات افراد کی طرف اور اونٹ سات افراد کی طرف سے کفایت کریں گے''۔ (مسلم ابوداؤد)

ان جانوروں کے علاوہ کسی اور جانور مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ کی قربانی درست نہیں ہوگی خواہ پالتو ہی کیوں نہ ہو۔

جانوروں کی عمریں: ''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ صرف مسنہ کی قربانی کیا کرو۔ اِلا یہ کہ تم پر دشواری ہوجائے تو چھ ماہ والے دنبہ کی قربانی کرلو''۔ (مسلم)

اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء فرماتے ہیں کہ اونٹ، گائے، بھینس اور بکرے کی نر و مادہ کا مسنہ ہونا ضروری ہے ورنہ قربانی نہیں ہوگی صرف دنبہ کا اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ ہو اور اتنا فربہ ہو کہ سال بھر کا لگتا ہو تو اس کی قربانی درست ہوگی، اور اونٹ میں مسنہ وہ ہے جو پانچ سال مکمل کر چکا ہو اور چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو، گائے او ر بھینس میں مسنہ وہ ہے جو دو سال مکمل کر چکا ہو اور تیسرے سال میں داخل ہوگیا ہو، بکرے اور بھیڑ وغیرہ میں مسنہ وہ ہے جو ایک سال مکمل کر چکا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، اگر ان ذکر کردہ عمروں سے ایک دن بھی کم کا ہو تو قربانی صحیح نہیں ہوگی۔

جس کو قربانی کرانی ہو وہ کیا کرے؟

جس شخص کو قربانی کرانی ہے اس کے لیے افضل اور مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے سے لے کر جب تک قربانی نہ کرائے نہ ناخن ترشوائے، نہ جسم کے کسی بھی حصہ سے بال صاف کرے اس لیے کہ حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب عشرہ ذی الحجہ شروع ہوجائے اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرانے کا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے بال اور ناخون کو ہاتھ نہ لگائے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''تو نہ بال کٹوائے نہ ناخن ترشوائے''۔ دوسری روایت میں ہے ''جو ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا ارادہ قربانی کرانے کا ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے''۔ (مسلم)

قربانی کے ایام: قربانی کے ایام تین ہیں، دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ، اس کا وقت ۱۰ ذی الحجہ کو طلوع شمس کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور ۱۲ ذی الحجہ کے غروب شمس تک رہتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا: اضحیٰ (ایام قربانی) یوم الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ دو دن بعد تک ہے (مـالك في المؤطا)، لیکن ان ایام میں سب سے زیادہ افضل پہلا دن پھر دوسرا دن پھر تیسرا دن ہے۔

جانور کیسا ہو: افضل یہ ہے کہ خوب عمدہ اور بہترین جانور کی قربانی کرے، اور نیت صحیح رکھے ورنہ پورا ثواب رائیگاں جانے کا اندیشہ رہے گا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، اللہ تعالیٰ کو تو تمہارا تقویٰ- اور نیت- پہنچتی ہے)۔

جس جانور کی قربانی کرنا ہو اس کو تمام عیوب سے خالی ہونا چاہیے، البتہ اگر معمولی عیب ہو تو قربانی صحیح ہوجائے گی۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم جانور کی آنکھ اور کان کا بغور جائزہ لے لیں اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کے کان سامنے یا پیچھے سے کٹے یا پھٹے یا سوراخ والے ہوں'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: ''قربانی کے جانور میں کن عیوب سے بچنا چاہیے؟ تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے چار کا اشارہ کرکے فرمایا: ''(۱) وہ لنگڑا جانور جس کا لنگ ظاہر ہو، (۲) وہ کانا جانور جس کا یک چشم ہونا ظاہر ہو، (۳) وہ بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو، (۴) لاغر جانور جس کے' گودا ہی نہ ہو'' (موطأ، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)۔

انھیں احادیث کے پیش نظر فقہاء نے عیوب کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیلات بیان فرمائی ہیں:-

۱- جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو؛ اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

۲- جس جانور کا ایک کان، تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا؛ اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے، اس سے کم کٹا ہو تو قربانی کی جاسکتی ہے۔

۳- جس جانور کی دُم؛ تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو؛ اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔

۴- جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پیروں سے چلتا ہے؛ چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہیں ہے، یا رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا؛ تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے، اور چلنے میں اس پر کچھ بوجھ ڈالتا ہے لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

۵- اگر جانور بالکل لاغر اور مریل ہے، اس کی ہڈیوں تک میں گودا نہیں بچا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، لیکن اگر اس حد تک لاغر نہیں ہے تو افضل تو بہرحال فربہ جانور کی قربانی کرنا ہے- جیسا کہ گزر چکا ہے- لیکن بہرحال اس جانور کی بھی قربانی درست ہے۔

۶- جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے، اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں؛ ان سے زیادہ موجود ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۷- جس جانور کے پیدائشی طور پر ہی کان نہیں ہیں اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے، البتہ اگر کان ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۸- جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہیں ہیں، یا پیدائشی طور پر تھے لیکن بعد میں ٹوٹ گئے؛ تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔

۹- جس طرح غیر خصّی جانور کی قربانی جائز ہے اسی طرح خصّی جانور کی بھی قربانی جائز ہے؛ اس لیے کہ خصّی ہونا کوئی عیب نہیں ہے؛ اس سے تو اس کے گوشت کی لذت بڑھ جاتی ہے، اور حدیث شریف میں صراحت کے سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو خصّی بکروں کی قربانی کی۔ البتہ جس جانور کا نر یا مادہ ہونا واضح نہ ہو؛ اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

۱۰- خارش زدہ جانور کی قربانی بھی درست ہے، البتہ اس سے اگر اتنا لاغر ہو گیا جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

قربانی کے ایام: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کے سورج کے غروب ہونے تک اس کا وقت ہے، لیکن جہاں عید کی نماز درست ہوتی ہے وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ حضرت جندب بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں: میں نے قربانی کے دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں شرکت کی، پھر جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر دیے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے قربانی نہیں کی ہے وہ اللہ کے نام سے قربانی کر لے'' (متفق علیہ)۔

ہاں؛ اگر کوئی ایسی چھوٹی بستی میں رہتا ہے جہاں عیدین اور جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی؛ وہاں طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کی جا سکتی ہے، اور شہر کے باشندے بھی وہاں اپنا جانور بھیج کر طلوع فجر سے پہلے قربانی کرا سکتے ہیں۔

ان تین ایام میں رات دن کسی وقت بھی قربانی کرائی جاسکتی ہے، لیکن سب سے افضل دن پہلا ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، اور فقہاء نے اس اندیشہ سے رات میں قربانی کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے کہ روشنی کم ہونے کے سبب کہیں ایسا نہ ہو کہ رگیں صحیح طور سے کٹ نہ سکیں؛ لہٰذا اگر روشنی کا ایسا معقول نظم ہو کہ اس طرح کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو ان شاء اللہ یہ کراہت نہ ہوگی۔

قربانی کا طریقہ: اپنی قربانی؛ افضل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کی جائے، ہاں اگر خود ذبح کرنے پر قادر نہیں ہے تو دوسرے سے ذبح کرانا بھی جائز ہے، اس صورت میں اس کے لیے افضل یہ ہے کہ قربانی کے وقت موجود رہے۔

قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں البتہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، آنحضرت ﷺ جب جانور کو ذبح کرنے کے لیے لٹاتے تھے تو یہ آیت پڑھا کرتے تھے، اس لیے قبلہ رخ لٹاتے وقت اس آیت کا پڑھنا مسنون ہے: ﴿إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اللّٰهم منك ولك" پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ (احمد، ابوداؤد)

اور یاد ہو تو ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: "اللهم تقبله مني كما تقبلت من حبيبك محمدٍ وخليلك ابراهيم عليهما الصلاة والسلام"

قربانی کا گوشت: افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھے، ایک حصہ عزیز واقارب میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کرے او راگر چاہے تو پورا گوشت خود بھی استعمال کر سکتا ہے۔

قربانی کی کھال: قربانی کی کھال کوئی چیز بنوا کر اپنے استعمال میں رکھ سکتا ہے، لیکن اگر اس کو فروخت کیا تو اس کو غریبوں پر صدقہ کرنا واجب ہے۔

،لیکن اگر کھال فروخت کر دی تو اس کی رقم نہ اپنے اوپر استعمال کر سکتا ہے نہ کسی مالدار کو دے سکتا ہے، اب اس کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا ہے، یعنی کسی غریب محتاج پر صرف کی جائے، یا کسی ایسے مدرسہ اور ادارہ میں دے دی جائے جہاں ناداروں پر صرف کر دی جائے، اس رقم سے نہ تو مدارس کے اساتذہ کی تنخواہ دی جا سکتی ہے، نہ اس سے مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی تعمیر کی جا سکتی ہے، نہ کسی غریب کی تجہیز وتکفین میں لگائی جا سکتی ہے۔

کچھ لوگ جانور کی کھال اور گوشت بطور مزدوری قصاب کو دے دیتے ہیں ایسا کرنا درست نہیں ہے، قصاب کو پوری مزدوری الگ سے دینا ضروری ہے۔

متفرق مسائل: ۱-کسی پر قربانی واجب نہیں تھی، لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی، لیکن اگر وہ جانور مر جائے، یا کھو جائے تو دوسرے جانور کی قربانی واجب نہیں ہے۔

۲-کسی پر قربانی واجب تھی، لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی، تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے، اور اگر جانور خرید لیا تھا تو بعینہٖ وہی جانور صدقہ کر دے۔

۳-اگر منّت مانی تھی کہ فلاں کام ہوگیا تو قربانی کریں گے، پھر وہ کام پورا ہوگیا تو چاہے مالدار ہو یا نہ ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہے، اور اس قربانی کا پورا گوشت فقیروں پر صدقہ کر دینا بھی ضروری ہے؛ نہ خود کھائے نہ امیروں کو دے۔

۴-اگر اپنی خوشی سے کسی مردے کے ایصال ثواب کے لیے قربانی کرائی تو جس طرح اپنی قربانی میں خود کھانا اور امیر وغریب ہر طرح کے رشتہ داروں کو تحفہ میں دینا جائز ہے اسی طرح اس میں بھی جائز ہے۔

لیکن اگر کوئی مرنے والا وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکہ میں میری طرف سے قربانی کی جائے اور اس کی وصیت پر اسی کے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کے پورے گوشت اور کھال وغیرہ کا خیرات کرنا ضروری ہے۔

۵-اگر کوئی جانور گابھن ہے تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دے۔

برائے مطالعہ

سبق آموز واقعات

نہایت آسان اسلوب اور پرکشش پیرائے بیان میں گذشتہ قوموں میں پیش آئے بعض ان واقعات کا مجموعہ جو جو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمائے۔

ترتیب وپیش کش:-خلیل احمد حسنی ندوی

صفحات: 112 قیمت: -/Rs. 80

سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی (9919331295)

قربانی کی اہمیت

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا.

(سنن ابن ماجة: ۳۱۲۳)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس (مال کی) وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

فائدہ:- قربانی رضائے الٰہی کے حصول کا ایک بہتر ذریعہ اور دین اسلام کے تقاضوں کے سامنے تمام تقاضوں اور خواہشات کو دبانے کا نام ہے، اس کا تاریخی سلسلہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانی سے ملتا ہے، دین اسلام میں سنت ابراہیمی کی اس اہم یادگار کو ہر سال تازہ کرنے کا تاکیدی حکم وارد ہوا ہے، جو شخص صاحب حیثیت ہونے کے باوجود اس سنت ابراہیمی کو تازہ نہ کرے تو ایسے شخص کے متعلق مذکورہ بالا حدیث میں زبان نبوت سے سخت الفاظ نکلے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے شخص کو اس دن خوشی منانے کا اسلامی رو سے کوئی حق نہیں، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ قربانی کا اہتمام فرمایا، صحابہ کرام نے بھی اس عمل کی پابندی کی اور اس کو اسلامی شعائر میں شمار کیا گیا۔

دین اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہر چیز کو اللہ پر قربان کرنے والا، اس کے احکامات کے آگے بغیر کسی تردد کے جھک جانے والا بن جائے، اس کے دل سے تمام چیزوں کی وہ عظمت کافور ہو جائے جس عظمت کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح اس کے دل سے ان تمام چیزوں کی وہ محبت بھی مٹ جائے جن کی موجودگی عموماً ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب بن جاتی ہے، جیسے مال اور اولاد کی محبت، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو اپنی مرضیات پر قربان کرنے کے لیے نمائندہ کے طور پر سال میں ایک مرتبہ ہر صاحب استطاعت پر ''قربانی'' واجب کی، قربانی اسی بات کا رمز ہوتی ہے کہ ایک صاحب ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑھ کر نہ کسی مذہب میں مقدس سمجھا جانے والا جانور ہے، نہ ہی اس کا اپنے ہاتھوں سے کمایا ہوا مال ہے اور نہ ہی کسی چیز کی محبت حکم الٰہی کے سامنے کوئی معنی رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شرعی حکم کی بنیاد پر انسان اپنے پیسوں سے ایک قیمتی جانور خریدتا ہے، اس کو کھلاتا پلاتا ہے اور انسانی فطرت کے مطابق وہ اس جانور سے مانوس بھی ہو جاتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس پر چھری چلا دیتا ہے، جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم پر محض اپنا جانور ہی ذبح نہیں کرتا، بلکہ بالفاظ دیگر اپنی خواہش اور جذبۂ محبت کو بھی قربان کر دیتا ہے، قربانی کے اس عمل سے دین اسلام کا بھی یہی مقصد ہے کہ انسان کا مزاج ہر چیز کو رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر قربان کرنے والا بن جائے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾ (الحج: ۳۷) (اللہ کو ان کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، ہاں اس کو تو تمہارے (دل) کا تقویٰ پہنچتا ہے) معلوم ہوا قربانی کا مقصد گوشت وغیرہ نہیں بلکہ اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور قربانی کے جذبہ کا دلوں میں پایا جانا ہے۔

قربانی کے اسی اہم مقصد کے پیش نظر شریعت اسلامیہ میں ہر صاحب استطاعت پر قربانی واجب ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ چند لوگوں کے علاوہ آج خاصے دین دار حضرات کی نظروں سے قربانی کا یہ عظیم مقصد اوجھل ہوتا جا رہا ہے، ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو قربانی کرتے ہیں مگر ان کا مقصد قربانی نہیں بلکہ معاشرہ میں اپنی شہرت ہوتا ہے، اور بعض وہ ہیں جو اہل ایمان کے زمرہ میں شمار ہونے اور کسی بھی درجہ میں دینی لگاؤ کے باوجود اپنے آپ کو اس حیثیت کا نہیں سمجھتے کہ وہ قربانی میں حصہ لیں، جب کہ قربانی میں صرف ہونے والی معمولی رقم سے کہیں زیادہ عید کی دیگر فضول تیاریوں میں وہ ایک خطیر رقم صرف کر دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ایسے لوگوں کو عید کے دن خوشی کے اظہار کا کوئی حق نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں قربان کرنے سے بچتے ہیں، اور زبان نبوت سے نکلے ہوئے سخت الفاظ کے باوجود ان کے سروں پر جوں نہیں رینگتی۔

اسلام میں پاپائیت نہیں

محمد نفیس خاں ندوی

یونان وروما میں مذہب اور سیاسی عقیدے پہلو بہ پہلو چلتے تھے، ان کا اپنا مذہب اور اس کا مخصوص فلسفۂ حیات تھا، عوام کی خوشحالی اور ان کی اصلاح وترقی کیلئے مذہب وسیاست دونوں سے یکساں مدد لی جاتی تھی، لیکن جب عیسائیت روم میں داخل ہوئی تو اس نے اس اتحاد وہم آہنگی کو پاش پاش کر دیا، اور اس کے ٹوٹتے ہی سیاسی ذہنیت میں ایک عنصر ایسا شامل ہوگیا جس نے سیاسیت کو بالکل نیا رنگ دے دیا، دین ودنیا کی تفریق کردی گئی، ''قیصر اور خدا کے حقوق'' الگ الگ ہوگئے۔ اور جس طرح ریاست وحکومت قیام امن اور خوشحالی کے بدلہ اطاعت و فرمانبرداری کی دعویدار تھی، اسی طرح کلیسا بھی روحانی فلاح وبہبود کا ذمہ دار بن کر اپنا حق طلب کرنے لگا۔

کلیسا کا روح رواں پوپ (Pope) کہلاتا تھا جو خدا اور بندے کے درمیان ثالث کی حیثیت رکھتا تھا، وہ ہر قسم کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا تھا، اس کا فرمان شاہی فرمان سے بھی بالا تھا، اسے حسب منشا شریعت کی تاویل اور فتاوی سازی کا مکمل اختیار تھا، وہی اجر وثواب اور گناہ وعذاب کے حدود متعین کرتا، جائز وناجائز، حلال وحرام کی حدوبندیاں اسی کے اشارہ کی محتاج تھیں، خطا کاروں اور خاص کر اہل ثروت گنہگاروں کو پروانۂ مغفرت اسی کے دربار سے حاصل ہوتا تھا، کسی کے اندر اس کے حکم نہ ماننے کی جرأت نہ تھی۔

پوپ کی جانب سے اعتراف گناہ (Confession) کا نظام بھی جاری تھا۔ لوگ ہفتہ دس دن میں کلیسا حاضر ہوکر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور معافی کے طلبگار ہوتے، پوپ کا نمائندہ پادری ان کا فیصلہ کرتا، عام گنہگاروں کو سزا ملتی اور مخصوص لوگوں کو مغفرت کا پروانہ ملتا، ان سے رقمیں وصول کی جاتیں اور دوشیزاؤں کا استحصال کیا جاتا۔

پوپ کا حکم ماننا ہر فرد پر لازم تھا، کسی کے اندر حکم عدولی کی ہمت نہ تھی کیونکہ یہ ایک ایسا سنگین جرم تھا کہ جس کی سزا بڑی دردناک موت تھی، پوپ کے کارندے عوام پر ہمہ وقت نگاہ رکھتے اور کسی بھی سطح پر پوپ کی مخالفت کو طاقت سے روند دیتے تھے، اسی مقصد کے لیے مستقل ایک شعبہ ''محکمہ تفتیش'' (Inquistition) کے عنوان سے سرگرم تھا۔ جس کی گرفت میں آجانے کے بعد مظلوم انسان سزا کے رسمی اعلان سے پہلے ہی تحقیق وتفتیش کے نام پر بدترین سزا اور اذیت کا شکار ہوتا تھا، انھیں اکٹھے تنگ وتاریک، بدبودار قید خانوں میں ٹھوس دیا جاتا جہاں وہ اذیت وفاقہ کشی سے دوچار ہوتے۔

تاریخی حوالوں سے ثابت ہے کہ پوپ کی حکم عدولی کے جرم میں تقریباً پانچ ملین افراد کو سولی پر چڑھایا گیا، 1481 سے 1499ء تک یعنی 18 سال کی مدت میں محکمہ تفتیش کے حکم پر 1020 انسانوں کو زندہ جلا دیا گیا، 6860 لوگوں کے دو ٹکڑے کر دیے گئے، 97023 کو آہنی شکنجوں میں اتنا کسا گیا کہ ان کی روحوں نے ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

آج پاپائیت کا رسوخ اگرچہ کم ہوچکا ہے لیکن مذہبی واخلاقی استحصال کسی نہ کسی صورت قائم ہے، اور یہی تصور کسی حد تک ہندو سماج میں بھی کارفرما ہے، مندروں کے پجاری یا مٹھوں کے سوامیوں کو نیم خدائی کا درجہ حاصل ہے یا کم از کم انھیں خدا کا مقرب تسلیم کیا جاتا ہے جن کی مرضی کے بغیر نہ مصیبتیں ٹل سکتی ہیں، نہ اولاد یا دنیاوی ضروریات حاصل کی جاسکتی ہیں، اور پھر اس کی آڑ میں جو اخلاق سوز واقعات رونما ہورہے ہیں وہ روزمرہ کا ایک دلچسپ موضوع بن چکا ہے۔

بہت سے لوگ جن میں سادہ لوح مسلمان بھی شامل ہیں وہ پاپائیت کے اس تصور کو اسلام پر بھی چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مفتی یا عالم کو ''شریعت سازی'' کے اختیارات حاصل ہیں، وہ جائز کو ناجائز یا حلال کو حرام کر سکتے ہیں، وہ فتووں یا اسلامی احکام کو حسب ضرورت بدل سکتے ہیں تو یہ صرف اور صرف جہالت پر مبنی تصور اور اسلام سے عدم واقفیت کی کھلی دلیل ہے۔ کیونکہ فتویٰ دراصل اسلام کا حکم ہے، اور اس میں مرضی کی تبدیلی کا اختیار دنیا کے بڑے سے بڑے مفتی یا عالم کو نہیں

اسلام میں پاپائیت کا شائبہ تک نہیں، اسلام میں نہ کوئی مخصوص منصب ہے اور نہ کوئی خدا اور بندہ کے درمیان ثالثی ہے، اسلام میں کسی کے سامنے اعتراف گناہ کی ضرورت نہیں، اسی طرح اولاد کے حصول کے لیے، کاروبار کی ترقی کے لیے، پریشانیوں سے نجات کے لیے کسی سادھو سنت کی طرح کسی عالم ومفتی یا پیر وفقیر کی چوکھٹ پر جانے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ سختی سے منع اور سنگین جرم ہے۔ کیونکہ اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے حد قریب ہے اور بندہ کی ہر ضرورت اور ہر دعا کو وہ خود سنتا ہے اور نوازتا ہے۔ ﴿وَهُوَ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾

ایام تشریق اورتکبیرات تشریق

نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تک، ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے مردوں پر اور آہستہ آواز سے عورتوں پر پڑھنا یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

اور اگر فرض نماز کے بعد امام تکبیر پڑھنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بلند آواز سے تکبیر پڑھیں۔ یہ تکبیرات ایک مرتبہ پڑھنا واجب اور تین مرتبہ پڑھنا سنت ہے۔

عید الاضحی کے دن کی سنتیں

☆ صبح کو جلدی اٹھنا ☆ مسواک کرنا ☆ غسل کرنا ☆ اچھے کپڑے پہننا ☆ خوشبو لگانا ☆ عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا ☆ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا ☆ عید گاہ جلدی جانا ☆ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کا گوشت کھانا۔ ☆ پیدل جانا ☆ ایک راستہ سے جانا دوسرے راستہ سے واپس آنا ☆ راستہ میں تکبیر تشریق (اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ) پڑھتے ہوئے جانا۔

قربانی کا طریقہ

قربانی کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف دی جائے، اسے زیادہ تڑپایا نہ جائے، زمین پر لٹانے میں ایسا طریقہ نہ اپنایا جائے کہ جس سے جانور گھبرا کر بدکنے لگے، جب جانور قربان گاہ میں آجائے تو اسے جلد ذبح کرنے کی کوشش کی جائے، چھری اور رسی وغیرہ پہلے سے تیار رکھی جائے، پھر جب قربانی کا جانور قبلہ رخ لٹا دے تو پہلے یہ دعا پڑھے:

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ،

اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ لَكَ"

پھر "بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہہ کر ذبح کرے، اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ ،وَ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ"۔

اگر ایک دوسرے کی طرف سے قربانی کر رہا ہو تو "مِنِّيْ" کے بجائے "مِن" کہے اور "مِنْ" کے بعد جس کی طرف سے قربانی کر رہا ہے اس کا نام لے۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 SEPTEMBER 2016 Issue: 09

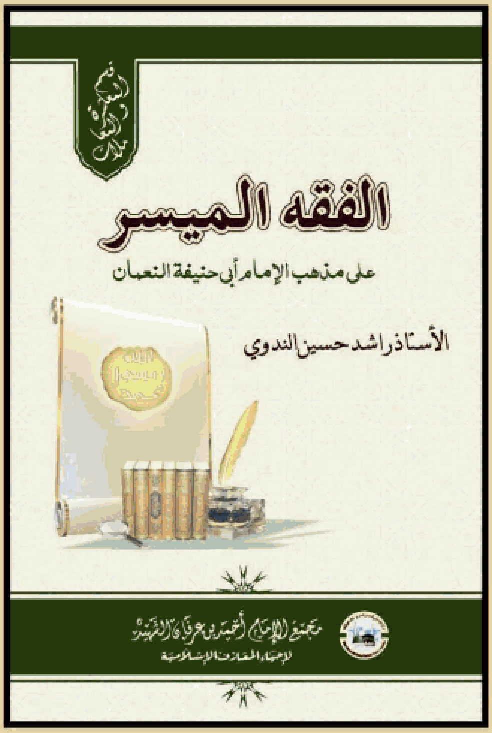

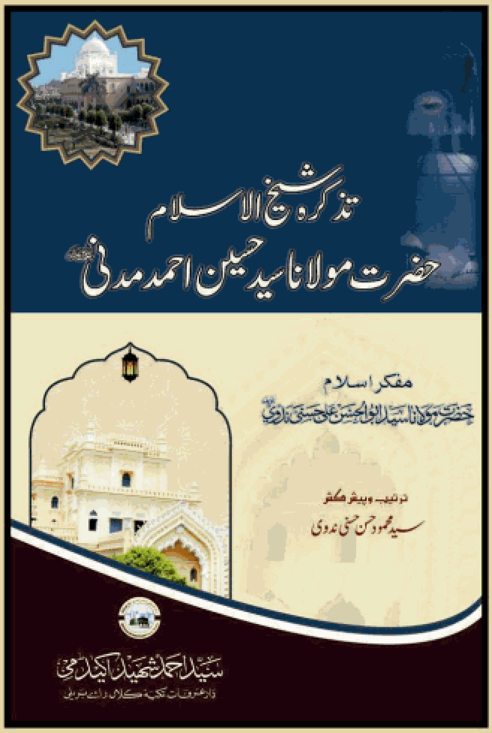

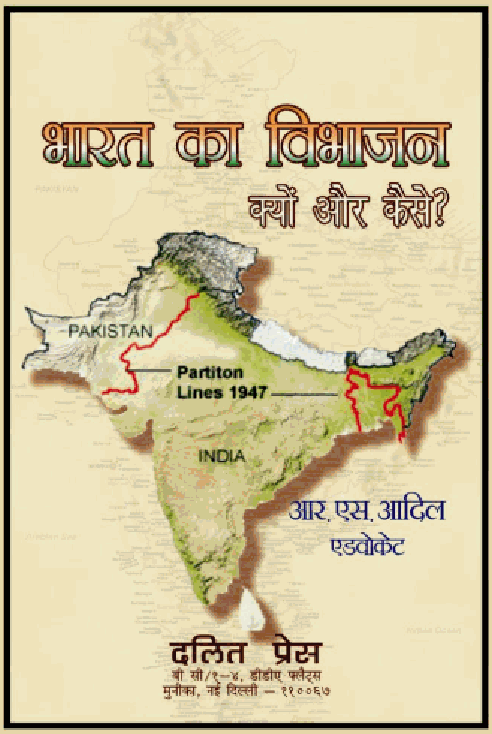

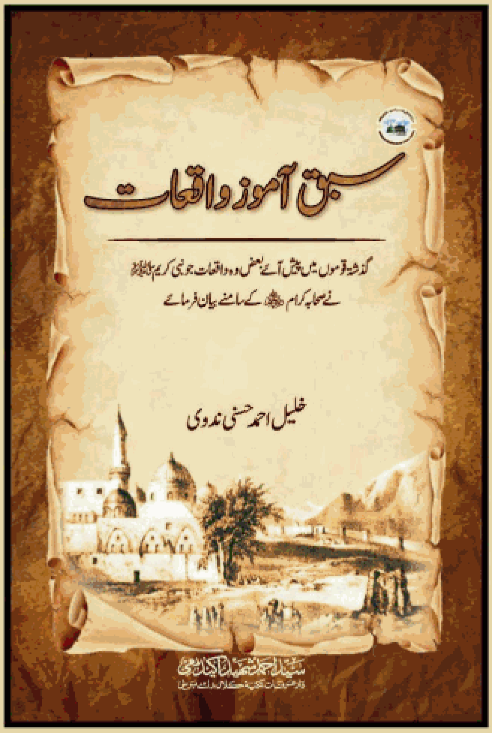

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)